ذوالکفل بخاری کی نظم نگاری

ڈاکٹر مزمل حسین ☆

شعروادب کی بحث میں جب ہم انفرادیت کے معاییر مقرر کرنے لگتے ہیں تو ایک پہلو مرکزِ نگاہ ٹھہرتا ہے۔ وہ پہلو جدتِ ادااور ندرتِ خیال سے تشکیل پاتا ہے۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے تصورات کو جتنا بیسوی صدی کے نصفِ دوم میں رگڑا گیا ہے، شاید ہی کوئی اور تصور اتنا زیرِ بحث رہا ہو۔ ''جدیدیت'' ادب کے ہر عہد میں جدید ہی ہوتی ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ جدیدیت مختلف تخلیق کاروں کے بیان جمالیاتی قدروں کے ساتھ قائم رہتی ہے یا ہنگامی نوعیت کے موضوعات اور افکار کو بیان کرتے ہی دم توڑ دیتی ہے۔ اگر جدیدیت کو قائم رکھنا ہے اور اسے ادب میں آفاقیت کے مقام تک لانا ہے تو پھر اس کی بنیاد ادبی روایت پر قائم کرنا ہوگی۔

روایت میں ڈکشن، ہستی نظام، استعاراتی پیرایہ، کلچر اور تہذیب کے کائناتی حوالے اور سدا قائم رہنے والی وہ تخلیقی شناخت ہے جو کسی بھی زبان کے شعروادب کا خاصہ ہوتی ہے، تمام ہمہ جہتی پہلو موجود ہوتے ہیں۔ ہمارا یہاں المیہ یہ رہا ہے کہ ہمارے جدید اور نوجوان شعراء بالخصوص خود کو اپنی شعری روایت سے وابستہ نہیں رکھتے اور نتیجے میں لمحاتی تاثر کے حامل شاعری کرکے ہمیشہ کے لیے مرجاتے ہیں۔ باشعور فنکار جہاں نئی ڈکشن، ہستی تجربے اور اپنا استعاراتی نظام متعارف کراتا ہے وہاں وہ متنوع افکار کے ذریعے نئے مباحث کا آغاز بھی کرتا ہے۔ ذوالکفل بخاری کی نثری نظموں میں کچھ ایسی ہی تخلیقی فضا ہے جو قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔

ذوالکفل بخاری کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو سب سے پہلے جو خیال ذہن میں ابھرے گا وہ ان کی شعری زبان کی سادگی۔ کسی اعلیٰ اور گہرے خیال کو نہایت سادگی سے آسان زبان میں بیان کرنا، ذوالکفل بخاری کی نظموں کی نمایاں خصوصیت ہے۔ انھوں نے کئی دیگر نوجوان شعرا کی طرح استاد شعرا کی لغت پر انحصار کرنے کے بجائے عصری دور کی مروج زبان میں اپنے افکار کو پیش کیا ہے۔ انھوں نے نئے استعارے، تشبیہات اور تراکیب استعمال کی ہیں۔ وہ اس خیال کے حامی ہیں کہ شاعر کو نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوکر اپنے خیالات کو بیان کرنا چاہیے اور انھوں نے اپنا یہی شعری نظریہ برقرار رکھا ہے۔ اس تناظر میں چند مصرے دیکھیے:

ع　مرے پاکیزہ طینت، پاک دامن، پاک زاد و پاک نفس و پاک بیں مولا!

ع　مجھے سچوں، بھلوں، پاکیزہ تر لوگوں کے قدموں میں جگہ دیجیے

☆ شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج لیہ

ع ہست و بود اک اور شے ہے، نیست و نابود اور؟

ع مسافر سوچتے ہیں، ساکنانِ شہر کو شاید؟

ع اک عمر اب بھی انت کو آواز دیتی ہے

ع ناکشودہ منظروں کے کھوج میں محوِ سفر

ع سکھ بنسریا کیوں بج رہی ہے؟

ذوالکفل بخاری کی نظمیں تہہ در تہہ فکر کی حامل ہیں۔ وہ لایعنی قسم کی لفاظی اور رنگینی کو آگے بڑھانے کی بجائے چند سوالوں کے جوابوں کے متلاشی ہیں۔ اس پس منظر میں وہ ایک عجیب طرح کا استفہامیہ انداز اختیار کیے ہوئے ہیں۔ وہ کبھی خود سے، کبھی اپنے رب سے اور کبھی سماج سے سوال پوچھتے دکھائی دیتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو ہمارا ''آج'' مختلف سوالوں سے اٹا، کرب کی وادیوں میں کہیں گم ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ طرح طرح کے سوال ہیں، جن کا جواب چاہیے۔ ذوالکفل بخاری اسی آج کا سوچنے والا دماغ ہے جسے کئی سوالوں کا سامنا ہے۔

شاعر، آرٹسٹ، دانشور، صوفی، سب ایک سے ہوتے ہیں۔ کائناتی محبت، امن و آشتی، رواداری، احترامِ آدمیت، سکھ، نرم دلی، بلند حوصلگی، سیر چشمی، الفت و موانست اور تعصّبات سے ماورا معاشرے ان سب کا آئیڈیلز ہوتے ہیں۔ اور جب یہ قدریں ڈوبنے لگتی ہیں، تو سوال جنم لیتے ہیں، ایسے ہی چند سوال بخاری کے پیشِ نظر بھی ہیں:

ع مسافر سوچتے ہیں، ساکنانِ شہر کو شاید؟

ع امن شگوفے کیوں کھل رہے ہیں؟

ع سکون، راحت، یہ پیار، الفت؟

ع سرور و فرحت یہ شادمانی؟

ذوالکفل بخاری کی نثری نظموں نے اردو کی مروج نثری نظم نگاروں میں جس شے کا اضافہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے اس صنف کے عشقیہ مزاج سے اجتناب کرتے ہوئے اسے ایک فکری جہت سے ہم آہنگ کیا ہے۔ اگرچہ ان میں کہیں شعریت کا عنصر کم دکھائی دیتا ہے مگر حساس قاری کے لیے لحہ فکریہ کا سامان ضرور پیدا ہوتا ہے۔ ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو استفہامیہ انداز اختیار کرنے والا ذہن بنیادی طور پر فلسفیانہ اپروچ کا حامل ہوتا ہے، ایسا ذہن معاشرے میں تبدیلی کا خواہاں ہوتا ہے اور وہ ان سطحی اور سفلی جذبوں کو ناگواری سے جھٹک دیتا ہے جو تہذیب کے ارتقاء میں بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں۔

آج کی نثری اردو نظم جدیدیت کی اعلیٰ ترین مثال تصور ہوتی ہے، انگریزی اور دیگر مغربی زبانوں کی شاعری نے جس قدر آج کی اردو شاعری کو متاثر کیا ہے شاید گزشتہ ڈیڑھ صدی میں ایسا پہلے نہیں ہوا، یقیناً اس کی بڑی وجہ الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا اور جدید تعلیم کا عام پھیلاؤ ہے، لیکن ہم اس مطالعاتی جستجو کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے جس کی تحصیل نے آج کے نوجوان شعراء کو اپنی گرفت میں لیا ہے۔ آج کی نثری اردو نظم میں جو شعری آہنگ دکھائی دے رہا ہے وہ واضح طور پر مغربی شعری

اسالیب سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے، اگر ایسے ماحول میں اردو نثری نظم نے زندہ رہنا ہے تو اسے کسی نہ کسی مقام پر اردو کی شعری روایت کے ساتھ بھی ضرور جوڑنا ہوگا۔ ذوالکفل بخاری کے یہاں اس روایت کا شعور بڑی حد تک محسوس ہوتا ہے۔ بطور خاص جب وہ لسانیاتی سطح پر جا کر ترکیب سازی کرتے ہیں، تشبیہات، اشارے، کنائے اور مجاز مرسل کو ایک سلیقے سے استعمال میں لاتے ہیں تو اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ مترادفات، تکرار لفظی اور تجانیس کے استعمال نے ان کے فنی شعور پر مہر ثبت کر دی ہے۔

ایک عام خیال یہ ہے کہ نثری نظم میں ''آمد'' کا عنصر کم ہوتا ہے اور شعراء آورد کو اختیار کر کے برجستگی اور فطری اظہار کو مجروح کر دیتے ہیں۔ بڑی حد تک یہ بات صحیح ہے کہ نثری نظموں میں یہ خامی محسوس ہوتی ہے لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ذوالکفل بخاری نے حساس سے حساس موضوع کو نہایت سہولت اور برجستہ پیرائے میں بیان کر کے قاری کے لیے ایک ترفع کا سامان پیدا کیا ہے۔

گھڑیاں، لمحے، پل، دقیقے، قرن، صدی اور جگ
لحظے، ساعت اور سمے
انجانے میں بیت گئے
اور بیت بیت کے جیت رہے
کس سے جیتے، کیسے جیتے کون ہزیم تھا ٹھہرا
مت پوچھو جی ایسی باتیں، ایک زعیم نہ ٹھہرا
جی چاہے اک ایک سے پوچھوں کیا کھویا کیا پایا
حال، مقام، مکان، زبان، کچھ بھی ہاتھ نہ آیا
رنگ، خیال، مُدوّر رستے، ان بوجھی تحریک
قفس کرشموں کے میتوں کو وقت کرے تو کیوں مہیز؟

(حکایت جو درمیاں سے سنی)